مولانا مفتی عبدالرحمٰن۔

# اسرائیل کے ساتھ معاشی اور اقتصادی بائیکاٹ
## شرعی وفقہی حیثیت

مغربی دنیا عرصہ سے تسلسل کے ساتھ ایسے اقدامات کرتی آرہی ہے جن کی وجہ سے ان کے خلاف دینی طبقات کی جانب سے تجارتی واقتصادی بائیکاٹ کرنے کی اپیل کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔اس وقت اسرائیل "غزہ" اور وہاں کے مظلوم مسلمانوں پر جو وحشیانہ بمباری کررہا ہے،اس کو عملی میدان میں گزگ پہنچانے کا ایک طریقہ یہی تجارتی بائیکاٹ تجویز کیا گیا ہے، اقتصادی اور تجارتی بائیکاٹ ہی پر قناعت کرنا گو درست نہیں ہے لیکن سنجیدگی کے ساتھ اس کو اختیار کرنا بھی بڑی غنیمت کی بات ہے اور اس سے بھی بہت کچھ فوائد سمیٹے جاسکتے ہیں۔بہرحال ان سطور کا مقصد اس بائیکاٹ کی شرعی حیثیت اور فقہی مقام واضح کرنا ہے۔

### محارب ملک کے ساتھ تجارت کا فقہی حکم

جو طاقت ملک مسلمانوں کے خلاف برسرجنگ ہو،اس کے ساتھ کوئی بھی ایسا تعلق رکھنا جس سے اس کی قوت وطاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے میں مضبوطی پیدا ہو،شرعاً جائز نہیں بلکہ اصل حکم یہی ہے کہ:

(۱) جب وہ کسی ایک مسلمان قوم ملک کے ساتھ برسرِ جنگ ہے تو وہ تمام مسلمانوں کے خلاف محارب ہی سمجھا جائیگا،شرعی نقطہ نظر سے قومی اور وطنی فاصلے اس باب میں معتبر نہیں ہیں۔

(۲) لہٰذا ایسے ملک وطاقت کیساتھ دیگر تمام مسلمان ممالک کا رہا حرب ہی کا ہوگا،جس درجے میں جو مسلمان لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس درجے میں لڑنا ضروری ہے اور جو بالکل استطاعت نہ

---

• مفتی دارالافتاء جامعہ محمدیہ طورو مردان

رکھتے ہوں، وہ اپنی استطاعت سے زیادہ کسی چیز کے مکلف تو نہیں ہیں، تاہم ان کے ساتھ برادرانہ تعلق رکھنے کا جواز نہیں۔

"شرح سیر کبیر" میں ہے:

ولا بأس بأن يبيع المسلمون من المشركين ما بدا لهم من الطعام والثياب وغير ذلك، إلا السلاح والكراع، والسبي سواء دخلوا إليهم بأمان أو بغير أمان. لأنهم يتقوون بذلك على قتال المسلمين، ولا يحل للمسلمين اكتساب سبب تقويتهم على قتال المسلمين، وهذا المعنى لا يوجد في سائر الأمتعة. ثم هذا الحكم إذا لم يحاصروا من حصونهم، فأما إذا حاصروا حصنا من حصونهم فلا ينبغي لهم أن يبيعوا من أهل الحصن طعاما ولا شرابا ولا شيئا يقويهم على المقام. لأنهم إنما حاصروهم لينفذ طعامهم وشرابهم حتى يعطوا بأيديهم ويخرجوا على حكم الله تعالى، ففي بيع الطعام وغيره منهم اكتساب سبب تقويتهم على المقام في حصنهم، بخلاف ما سبق، فإن أهل الحرب في دارهم يتمكنون من اكتساب ما يتقوون به على المقام، لا بطريق الشراء من المسلمين، فأما أهل الحصن لا يتمكنون من ذلك بعد ما أحاط المسلمون بهم، فلا يحل لأحد من المسلمين أن يبيعهم شيئا من ذلك. ومن فعله فعلم به الإمام أدبه على ذلك لارتكابه ما لا يحل (۱)

یہ عبارت اس باب میں واضح ہے کہ:

الف: عام حالات میں مشرکین کے ہاتھ اسلحہ اور جنگی آلات کے علاوہ اشیاء خورد ونوش وغیرہ بیچنا اور ان کے ساتھ اس کی تجارت کرنا مباح ہے۔

ب: جہاں اس خرید وفروخت کی وجہ سے ان کی قوت میں مسلمانوں کے خلاف اضافہ ہو جاتا ہو، وہاں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ درج بالا صورت مسئلہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کفار سے برسر جنگ ہیں، اور ان کو کسی قلعہ وغیرہ کا محاصرہ کیا ہے، اب کسی بھی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان محصور کافروں کے ہاتھ کوئی چیز بیچ دے چاہے وہ کھانے پینے کی چیز کیوں نہ ہو۔

ج: اگر کوئی شخص ایسی حالات میں ان کے ساتھ تجارت کرتا ہے، ان کے ہاتھ خورد ونوش کی چیزیں بیچتا ہے تو وہ تعزیر کا مستحق ہے، اسلامی حاکم وامیر اس کو اس کی مناسب سزا دے دے۔

عصری جائزہ

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت کی جنگیں بہت کچھ لاگت چاہتی ہیں، معمولی سرمایے پر جنگیں نہیں لڑی جاسکتیں۔ نیز کوئی بھی ملک اس وقت تک کوئی سنجیدہ جنگ نہیں لڑسکتا جب تک کہ دیگر ممالک کے ساتھ اس کے تجارتی واقتصادی تعلقات درست نہ ہوں، از خود کوئی ملک اتنا خود کفیل نہیں رہ سکتا جو معاصر جنگوں میں باعزت مقام حاصل کرسکے۔ یہی تجارتی واقتصادی تعلقات ہی عام طور پر ملک کو طاقتور وتوانا بناتے ہیں اور پھر اس کے بل بوتے وہ ترقی پذیر ممالک کو ہڑپ کرنے کے قابل ہوجاتا ہے لہٰذا جب یہ بات واضح ہے کہ کوئی طاقت وملک مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہے اور تجارتی تعلقات برقرار رکھنے کی صورت میں ملک مضبوط تر ہوتا جاتا ہے، اس کی جنگی طاقت بڑھ جاتی ہے تو ایسی صورت میں ایسے ملک طاقت کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنا یا برقرار رکھنا شرعاً درست نہیں ہے۔

ایک ادھوری تعبیر

بسا اوقات اس مسئلہ کیلئے ایک اور تعبیر اختیار کی جاتی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ''مسلمانوں کے خلاف برسر جنگ ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھنا ایمانی غیرت کے خلاف ہے، دینی حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ تجارتی تعلقات نہ رکھے جائیں''۔ یہ تعبیر فی نفسہ بالکل درست ہے اور واقعتاً دینی غیرت وحمیت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے ممالک کے خلاف ہوجایا جائے، تجارتی تعلقات بالکل ختم کیے جائیں لیکن عام طور پر یہ تعبیر اس پس منظر کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ ''فقہی نقطہ نظر سے تو تجارتی تعلقات میں مضائقہ نہیں بلکہ مباح ہے تاہم دینی غیرت کے تقاضے کے خلاف ہے'' حالانکہ یہ بات بالکل درست نہیں ہے۔ اس کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ: خود فقہی نقطہ نظر سے بھی ایسے تعلقات رکھنا درست نہیں، چنانچہ ''شرح سیر کبیر'' کی جو عبارت اوپر ذکر کی گئی ہے، اس میں اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

غلط فہمی کی پہلی بنیاد

اس باب میں غلط فہمی کی بنیاد بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ''فقہی نقطہ نظر'' کو طے کرنے کے لئے صرف عقد کے منعقد اور صحیح ہونے کی شرائط کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ اسلحہ کے علاوہ جس ساز وسامان کا ان جیسے ممالک کیساتھ تبادلہ کیا جاتا ہے، ان میں چونکہ بیع کے منعقد ہونے اور منعقد ہونے

کے بعد صحیح ہونے کی شرائط موجود ہیں، اسلئے ''فقہی نقطہ نظر'' سے یہ عقد درست ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہ تصور ادھورا ہے، اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ فقہی نقطہ نظر سے کسی چیز کا صحیح یا مشروع ہونا اس کے عملاً جائز ہونے کو مستلزم نہیں ہے، بہت مرتبہ ایسا ہوسکتا ہے کہ عقد ''صحیح'' ہو لیکن جائز نہ ہو، موجب گناہ ہو، چنانچہ فقہی اصطلاح میں جن معاملات کو ''بیوع مکروہہ'' قرار دیا جاتا ہے، انکے تصور کی بنیاد ہی یہ ہے کہ معاملہ میں صحت کی تمام تر شرائط موجود ہوں لیکن ان کے بعد کراہت کا کوئی سبب پایا جائے۔

## ممانعت کی دو بنیادیں

یہاں زیر بحث مسئلہ میں بھی کراہت کی ایک بنیادی وجہ تعاون علی الاثم ہے جو یہاں پایا جاتا ہے لہٰذا جس طرح اذان جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرنا، جھوٹ ودھوکہ دہی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز نہیں بلکہ گناہ اور ممنوع ومذموم ہے، ان دونوں معاملات کو صرف دینی غیرت کہنے پر ہی اکتفاء نہیں کیا جاتا یوں ہی مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ممالک کے ساتھ خرید وفروخت کرنا بھی ناجائز ہے اور صرف دینی غیرت کے تقاضے کے خلاف نہیں۔

دوسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ محارب کفار (افراد، اقوام وممالک) کے ساتھ تعلقات رکھنا درست نہیں ہے بلکہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ''عدم تعلق'' رکھنا ہی کافی نہیں، (اپنی حد تک) عداوت رکھنا ضروری ہے اور بہت سے اہل علم نے اس بات کی صراحت بھی فرمائی ہے، مثال کے طور پر امام جصاص رازی ''سورۃ مائدۃ'' کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء بعضهم أولياء بعض ..وفى هذه الآية دلالة على أن الكافر لا يكون وليا للمسلم لا فى التصرف ولا فى النصرة ويدل على وجوب البراءة من الكفار والعداوة لهم لأن الولاية ضد العداوة فإذا أمرنا بمعاداة اليهود والنصارى لكفرهم فغيرهم من الكفار بمنزلتهم ويدل على أن الكفر كله ملة واحدة لقوله تعالى بعضهم أولياء بعض (۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کفار کیساتھ (خاص کر محارب کفار) صرف عدم تعلق ہی کافی نہیں ہے بلکہ (ضرورت کے موقع پر) اظہار عداوت وبرائت بھی ضروری ہے۔

## غلط فہمی کی دوسری بنیاد

زیر بحث مسئلہ کی جو تعبیر اوپر ذکر کی گئی اور جس کو یہاں ادھورا قرار دیا گیا، اس کی ایک

دوسری بنیاد بھی ہے، یہ بنیاد وہ جزئیات ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ اہل حرب کے ہاتھ کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں فروخت کرنا جائز ہے اور روایات سے ثابت ہے، صرف اسلحہ وغیرہ جنگی سامان کا فروخت کرنا ہی ممنوع ہے، مثال کے طور پر "بدائع" میں ہے:

ويكره بيع السلاح من أهل البغي وفي عساكرهم؛ لأنه إعانة لهم على المعصية، ولا يكره بيع ما يتخذ منه السلاح كالحديد ونحوه؛ لأنه لا يصير سلاحا إلا بالعمل ونظيره أنه يكره بيع المزامير.(۳)

"ہدایہ" میں ہے: ولا ينبغي أن يباع السلاح من أهل الحرب ولا يحمل إليهم لأن النبي عليه الصلاة والسلام نهى عن بيع السلاح من أهل الحرب وحمله إليهم ولأن فيه تقويتهم على قتال المسلمين فيمنع من ذلك وكذا الكراع لما بينا وكذا الحديد لأنه أصل السلاح وكذا بعد الموادعة لأنها على شرف النقض أو الانتقض فكانا حربا علينا وهذا هو القياس في الطعام والثوب إلا أنا عرفناه بالنص فإنه عليه الصلاة والسلام أمر ثمامة أن يمير أهل مكة وهم حرب عليه.(۱)

ان جزئیات سے استدلال کرنا درست نہیں، اسباب جنگ کے علاوہ اشیاء کی تجارت بہر صورت مباح نہیں ہے بلکہ اس میں وہی تفصیل ہے جو "شرح سیر کبیر" کی ذکر کردہ عبارت سے معلوم ہوتی ہے۔

## کافر کا مال مسلمان خریدار سے خریدنا

بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جو کافر ممالک مسلمانوں کیساتھ برسر پیکار ہوں، ان سے اسلامی ممالک کا کوئی مسلمان فرد ادارہ مال خریدتا ہے اور پھر وہی وہ مال مسلمان ملک میں لوگوں کو فروخت کرتا ہے، اب بہت سے لوگ اس سے مال خریدنے اور آگے فروخت کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن غور کیا جائے تو ایسے مال خریدنے سے بہرحال ہی احتراز واحتیاط کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہاں براہ راست تو کافر حربی سے عام مسلمانوں کو خریدنے کی نوبت نہیں آتی لیکن انجام کار اس سے خریداری کا سلسلہ مضبوط ہو جاتا ہے اور تجارتی بائیکاٹ نہ کرنے کی صورت میں جو شرعی خرابی سامنے آرہی تھی اور جس کی وجہ سے بائیکاٹ کرنے کو ضروری قرار دیا جارہا تھا، وہ یہاں بھی پوری طرح متحقق ہے، چنانچہ جب خریدار ملیں گے اور مال فروخت ہوتا رہے گا تو متعلقہ مسلمان فرد یا ادارہ مزید مال خریدتا رہے گا۔

حضرات فقہائے کرام نے فی الجملہ متعدد مسائل میں اس پہلو کا بھی لحاظ رکھا اور اس بنیاد پر متعدد

معاملات کو ممنوع قرار دیا ہے، چنانچہ جو شخص شاہراہ عام پر مال فروخت کرنا شروع کرے اور اس سے گزرنے والوں کو تکلیف ومشقت کا سامنا کرنا پڑے، اس سے اسی بنیاد پر کچھ خریدنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، ''فتاویٰ خیریہ'' میں ہے: من يبيع ويشترى على الطريق ولم يضر قعوده للناس لسعة الطريق لا بأس به، وإن أضر بهم فالمختار أنه لا يشترى منه لأنه إذا لم يجد مشتريا لا يقعد فكان الشراء منه إعانة على المعصية (۵) وكذافي الفتاوى الهندية (۶)

## ماضی کا ایک اہم فتویٰ

آج سے تقریباً پچاس سال پہلے ''مجلس عمل'' نے ایک سوالنامہ تیار کیا جس کا تفصیلی جواب ملک کے مشہور صاحب علم وافتاء شخصیت حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ نے مرتب فرمایا، اس کے بعد برصغیر کے سینکڑوں اہل علم نے اس فتویٰ پر تائیدی دستخط فرمائے تھے، یہ سوال وجواب اصلاً تو قادیانی جماعت اور ان کے ساتھ تعلقات رکھنے سے متعلق تھا لیکن اس فتویٰ سے زیر بحث مسئلہ کے بھی متعدد پہلو بالکل واضح ہو جاتے ہیں، اس فتویٰ میں یہ بھی تحریر فرمایا گیا ہے:

''یہ واضح رہے کہ کفار محاربین جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں، انہیں ایذاء پہنچاتے ہوں، اسلامی اصطلاحات کو مسخ کر کے اسلام کا مذاق اُڑاتے ہوں اور مار آستین بن کر مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو منتشر کرنے کے درپے ہوں، اسلام اُن کے ساتھ سخت سے سخت معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے، رواداری کی ان کافروں سے اجازت دی گئی ہے جو محارب اور موذی نہ ہوں، ورنہ ''کفار محاربین'' سے سخت معاملہ کرنے کا حکم ہے۔ علاوہ ازیں بسا اوقات اگر مسلمانوں سے کوئی قابل نفرت گناہ سرزد ہو جائے تو بطور تعزیر وتادیب ان کے ساتھ ترک تعلق اور سلام وکلام ونشست وبرخاست ترک کرنے کا حکم شریعت مطہرہ اور سنت نبوی میں موجود ہے چہ جائیکہ کفار محاربین کے ساتھ لیکن اگر مسلمان حکومت اس قسم کے لوگوں کو سزا دینے میں کوتاہی کرے یا اُس سے توقع نہ ہو تو خود مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بحیثیت جماعت اُس قسم کی سزا کا فیصلہ کریں جو ان کے دائرہ اختیار میں ہو۔

الغرض !ارتداد، محاربت، بغاوت، شرارت، نفاق، ایذا، مسلمانوں کے ساتھ سازش، یہود ونصاریٰ وہنود کے ساتھ ساز باز ان سب وجوہ کے جمع ہو جانے سے بلاشبہ مذکور فی السوال فرد یا جماعت کے ساتھ مقاطعہ یا بائیکاٹ نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، اگر

مسلمانوں کی جماعت بھیثیت اجتماعی اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے مقاطعہ یا بائیکاٹ جیسے ہلکے سے اقدام سے بھی کوتاہی کرے گی تو وہ عنداللہ مسئول ہوگی۔(۷)

## تحریک ترک موالات کا پس منظر

تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جو "تحریک ترک موالات" قائم ہوئی تھی جس میں مسلمانوں کے تقریباً تمام طبقات نے کسی نہ کسی حد تک حصہ لیا تھا اور جس کی سرپرستی اکابر علماء ہند فرمارہے تھے، اس کے پس منظر میں بھی یہ بات موجود تھی، چنانچہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رہا یہ شبہ کہ موالات اور چیز ہے اور معاملہ اور چیز ہے۔ آیات موالات کو منع کرتی ہے، موالات کو تو میں کہوں گا کہ ہاں موالات اور معاملہ میں مفہوم کے لحاظ سے فرق ضرور ہے لیکن موالات کے مفہوم میں قربت اور نزدیکی پیدا کرنے والے تعلقات اور باہمی نصرت اور معاونت کے تمام ارتباطات لغوی معنی کے لحاظ سے داخل ہیں پس تمام ایسے معاملے جن کی وجہ سے دشمن کے ساتھ میل جول ربط واتحاد بڑھے، ایسے معاملے جو ان کی معاندانہ طاقت کو بڑھائیں، ایسے تعلقات (فوجی ملازمت وغیرہ) جو مسلمانوں کی ہلاکت اور شوکت اسلامیہ کے مٹانے میں دخل رکھتے ہوں، ایسے روابط جن کی وجہ سے انہیں موقع ملے کہ مسلمانوں کی رضامندی پر استدلال کرسکیں ایسے مراسم جن سے ان کے ساتھ محبت اور الفت کا اظہار ہوتا ہے براہ راست یا بالواسطہ موالات ممنوعہ محرمہ میں داخل ہیں، حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو بغور دیکھا جائے اور فاروق اعظم کی ایمانی حمیت سے مشاہدہ کیا جائے تو پھر کوئی شبہ واقع نہیں ہوسکتا۔"(۸)

---

## (حواشی)

(۱) شرح السیر الکبیر، باب هدية أهل الحرب، ج۱ ص۱۲٤۲

(۲) أحكام القرآن للجصاص ت قمحاوی، سورة المائدة آية ۵۱، ج٤ ص۹۹

(۳) بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، كتاب الغصب، ج۷ ص۱٤۲

(۴) الهداية فی شرح بداية المبتدی، كتاب السير، ج۲ ص۲۸۲

(۵) الفتاوی الغياثية، كتاب البيوع، قبيل الباب السادس فی الاستقراض، ص۱۵۳ مطبع بولاق۔

(۶) الفتاوی الهندية، الباب العشرون، البياعات المكروهة، ج۳ ص۲۱۰

(۷) فتاوی بینات، ج۱ ص۲۲۰ (۸) خطبات جمعیت علماء ہند، صفحہ:۸۶